ڈاکٹر سائرہ بتول*

مابعد تنازعہ اُردو نظم

Abstract: *The term "ma baad tanaaza" is mere a translation of the English term "post-conflict". While this English term is the part of 21st century's western narrative. The word "Conflict" means "war" and the word "post" means, "after, which collectively means "the aftermaths of a war". The term "post-conflict" was used for the aftermaths of the war zones after the wars, fought by America ensuing9/11.*
In 1979 when Russian Armies left Afghanistan, the country was badly destroyed. But the civilized world never payed attention towards the reconstruction of destroyed country. Consequently, free movements of fighters in Afghanistan became a threat to the civilized world. Although this situation was not new for western thinkers but they still introduced a new theory with a new narrative, which is called the "post-conflict theory".Basically, it's an economical theory,according to which the reconstruction of the countries that are destroyed by wars should be the first priority of united nations. In literature the term post-conflict is used for the literary work produced by the aftermaths of 21st centuries wars. Although Pakistan was not a direct victim of the wars of Afghanistan but it's been in fact directly involved in those wards. For this involvement the citizens of Pakistan suffered a great deal of the aftermaths of those wars. That's why Pakistani Urdu writers are also as post-conflict writers as other victims are. Through this article I am going to take a look at such changes but our article is limited to only Urdu poems.

مابعد تنازعہ کے الفاظ، انگریزی کی اصطلاح " پوسٹ کانفلِکٹ (Post-conflict) " کا اُردو ترجمہ ہے۔ پوسٹ کانفلکٹ نظریہ یہ ہے کہ جنگوں سے متاثرہ علاقوں کی بحالی کی ذمہ داری، اُن ممالک پر عائد ہوتی ہے جو کسی بھی متعلقہ جنگ کے ذمہ دار رہیں۔ یہ نظریہ اس وقت سامنے آیا جب نائن الیون کے بعد امریکہ کو افغانستان پر براہِ راست حملے کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

* اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو (خواتین)، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

مابعد تنازعہ نظریہ بنیادی طور پر ایک اقتصادی نظریہ ہے۔ یعنی وہ ممالک جہاں کوئی جنگ ہو گزری، تباہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ سوالات کہ تباہی کے بعد اُن کی بحالی کے لیے سرمایہ کہاں سے مہیّا کیا جائے گا؟ وہاں موجود کشیدگی پر قابو پانے کے لیے کیا کیا انتظامات کیے جائیں گے اور ان اخراجات کی ذمہ داری کس کس پر عائد ہو گی؟ عہدِ قدیم سے جائز سوالات ہیں۔ عہدِ حاضر کا انسان مہذب ہے، چنانچہ عہدِ حاضر کے اربابِ حکمت و حکومت کو اِن سوالات کے جوابات دینے چاہییں۔ یہ گویا عالمی اخلاقی دباؤ کے ذریعے جنگ کے ذمہ داروں کو بعد از جنگ کے اخراجات اُٹھانے پر آمادہ کرنے کی ایک کوشش ہے۔

دسمبر ۱۹۷۹ میں جب روسی افواج افغانستان میں داخل ہوئیں تو امریکہ کے جاسُوسی ادارے حرکت میں آ گئے۔ امریکہ نے افغانستان اور پاکستان میں جاسُوسی کے ایک نظام "آپریشن سائیکلون" کے تحت چارلی ولسن کو بھیجا۔ چارلی ولسن نے روسی افواج کے خلاف پاکستان اور افغانستان سے مجاہدین تیار کیے اور اور پھر دس سال جہادِ افغانستان جاری رہا۔ پاکستان اس جہاد میں براہِ راست شریک تھا۔(۱) پاکستانی نوجوان جنگ لڑنے جاتے تھے جبکہ پاکستانی عوام، مہاجرینِ افغانستان کے پہلو بہ پہلو رہنے پر مجبور تھے۔ اِن دس سالوں میں افغان مہاجرین کی بہت بڑی تعداد پاکستان میں داخل ہوئی۔ ۱۹۸۹ میں افغانستان سے رُوسی افواج واپس چلی گئیں تو ایک طرح سے جنگ ختم ہو گئی۔ جنگ ختم ہوئی تو امریکہ نے مابعد تنازعہ حالات کو سنبھالنے میں کوئی کردار ادا نہ کیا۔ افغانستان جو سوویت یونین اور امریکہ کی رزم گاہ تھا اور مابعد تنازعہ حالات کا شکار ہو کر بُری طرح تباہ ہو چکا تھا، جنگی سرداروں (وار لارڈز) کی آپس کی لڑائیوں کی آماجگاہ بن گیا۔ یہی وقت تھا جب پاکستان میں افغان مہاجرین ہر دور سے بڑھ کر داخل ہوئے۔ نئی آبادیوں کے اس بوجھ سے پاکستانی اقتصادیات بھی بُری طرح سے متاثر ہوئی کیونکہ جنگ ختم ہو چکی تھی اور امریکی امدادوں کے سلسلے بھی۔

لیکن نائن الیون کے بعد جب امریکہ کو ضرورت پیش آئی کہ وہ افغانستان پر حملہ کرے، تو "آپریشن سائیکلون" کی جگہ "مابعد تنازعہ نظریہ" نے لے لی۔ جنگ زدہ علاقے کا امن بحال کرنا چونکہ ذمہ دار ممالک کا فریضہ ہے چنانچہ امریکہ دوبارہ خطے میں وارد ہو گیا۔ پاکستان کو بھی دوبارہ اس جنگ میں لاجسٹک سپورٹ کے نام پر شریک کر لیا گیا اور اس بار بھاری امدادوں کا کوئی سلسلہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ پاکستانی معیشت تباہی کے کنارے سے آ لگی۔ پاکستانی عوام نے مہنگائی، دہشت گردی، بدامنی، علاقائی منافرت اور قتل و غارت گری کے ایسے ایسے مناظر دیکھے جو اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ یہ قیامِ پاکستان کے بعد سے پہلا ایسا دور تھا جب عوام کو براہِ راست جنگوں کے نتائج بھگتنا پڑے۔

۱۹۸۹ سے، یعنی جب سے روس نے افغانستان کی سرزمین خالی کی، افغانستان امریکی فکشن، بطورِ خاص فلم اور ڈرامہ کا ایک مستقل موضوع اور حصہ بن چکا ہے۔ لیکن کسی نے خود افغانی ادب میں پیدا ہو جانے والے انقلاب پر کبھی نظر نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ رہی کہ افغان بیانیے کو کبھی بھی وہ ذرائع میسر نہ آسکے جن کے استعمال سے وہ اپنا ادب دنیا کے ادبی نگار خانے میں سجاتے۔ پاکستان اُن دونوں جنگوں کا فعّال ترین حصہ رہا ہے اور آج تک شریک ہے، جو افغانستان میں لڑی گئیں یعنی پہلی جنگ جسے امریکی امداد سے روس کے خلاف پاکستان نے

مکمل کیا اور دوسری جنگ جو افغان طالبان کے خلاف امریکی افواج گزشتہ اٹھارہ سال سے لڑ رہی ہیں۔ اگرچہ " فنڈ فار پیس (FFP)" کی شائع کردہ، اُن ممالک کی فہرست میں، جو مابعد تنازعہ متاثرین ممالک میں شامل ہیں، پاکستان کا نام "چھوٹے تنازعہ" کا شکار ممالک کی فہرست میں شامل ہے۔(۲) لیکن پاکستان اوّل درجے کے متاثرین میں سے ہے اس سچائی سے انکار ممکن نہیں۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ مسئلہ کشمیر تو ہندوستان کی طرف سے حالیہ اقدامات کے بعد ہی دوبارہ اُجاگر ہوا۔ اس سے پہلے پہلے تک تو مسئلہ کشمیر تقریباً خاموش ہی تھا۔ 9/11 کے بعد سے گویا اب تک مسئلہ کشمیر سیاسی منظر نامے پر بھی مدھم دکھائی دے رہا تھا۔ مقبوضہ کشمیر، آزاد کشمیر اور پاکستان میں موجود اُردو شعرا اور نثر نگاروں نے بھی اِن سالوں میں مسئلہ کشمیر پر کچھ خاص نہ لکھا۔ ماسوائے سالانہ یومِ یک جہتیِ کشمیر پر لکھی گئی روایتی طرز کی نظموں کے، کوئی ادبی فن پارہ سامنے ہی نہ آیا۔ اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ پاکستانی لکھاری اور شعرا مابعد تنازعہ تخلیقی سرگرمی کے میدان میں باقی تباہ حال دنیا کے مقابلے میں غیر حاضر رہے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستانی لکھاری، شعرا اور بالخصوص اردو کے لکھاری اور شعرا مابعد تنازعہ ادب کی تخلیق میں ہی مصروف رہے لیکن اب وہ چھوٹے تنازعہ کے ساتھ ساتھ ایک بڑے تنازعے کے مابعد کے حالات کا شکار ہو چکے تھے۔ نائن الیون کا سانحہ صرف امریکہ یا افغانستان کو ہی تنازعہ کے متاثرین نہیں بناتا بلکہ بالعموم پوری دنیا اور بالخصوص پاکستان کو بھی متاثرینِ تنازعہ میں شامل کر دیتا ہے۔

چنانچہ یہ دیکھنا چاہیے کہ جن جن ممالک نے ایسی تباہیاں دیکھیں، وہاں کے لکھاریوں نے اِن حالات کا اثر کس طرح قبول کیا؟ یہ تحقیق ضروری ہے کیونکہ اس طرح ہمیں پتہ چلے گا کہ آیا متاثرین نے وہ حقائق بھی محسوس کیے جو اُن کی بدحالی کے اسباب تھے یا وہ فقط اپنی خستہ حالی کے تذکروں تک محدود رہے؟ چنانچہ پاکستان میں تخلیق ہونے والے اُردو ادب میں بھی مابعد تنازعہ عناصر نہایت واضح ہیں۔ مضامین، افسانے، ناول، کہانیاں وغیرہ بھی لکھی گئیں لیکن معاصر اُردو نظم میں جس طرح یہ عناصر اُمڈ کر دکھائی دیے، وہ قابلِ غور ہیں، مثلاً شاہین عباس لکھتے ہیں۔

"خدا نے
رعایا کے سوتے میں کیا کھیل کھیلا
تنفس کی بُو سے ترنّم کی لُو تک
مرے ساتھ کیا کھیل کھیلا
مجھے گوشت کے سرخ غاروں میں ایسے دھکیلا
کہ گم ہو گیا ہوں
اِنہیں گرم غاروں کے اندر
ولایت کی پوشاک میں سو گیا ہوں"(۳)

جہاں نائن الیون کے بعد دنیا بھر کے ادب نے نئے لہجے اپنائے ہیں وہاں مابعد تنازعہ اردو نظم نے بھی مدتوں بعد انگڑائی لی ہے۔اردو نظم کس طرح مابعد جدیدیت کے اثر سے نکل کر مابعد تنازعہ ادب کی جانب متوجہ ہوئی، یہ جاننا یقیناً دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔شاہین عباس، عمیر نجمی، سلمان فارس، سدرہ سحر عمران اور ادریس بابر جیسے نوجوان نظم گو شعر اسمیت بیسیوں ایسے نظم گو شعر اہیں جنھوں نے ادب کی اس نئی تحریک میں جانے انجانے میں حصہ لیا اور مابعد تنازعہ ادب کی تخلیق میں اپنا الگ اور منفرد مقام پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔مابعد تنازعہ ادب میں محسوس کیا جاسکنے والا سب سے اہم فرق یہ ہے کہ اس ادب میں عام انسانی جان ایک لڑاکا فوجی کی زندگی کے متبادل کے طور پر سامنے آئی، نئے نئے مسائل کا شکار ہوئی اور مسلسل ضائع ہوئی ہے۔یہ فرق تاریخ انسانی میں پہلی بار متعارف ہوا سو ادب میں بھی اس کے لیے پہلی بار نئی نئی تلمیحات، تشبیہات، اصطلاحات اور ترکیبات استعمال ہوئی ہیں۔مابعد تنازعہ ادب اور اردو نظم کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہوئے ہم ہزاروں دیگر نظموں کو ایک طرف رکھ دیں تو بھی فقط آرمی پبلک سکول میں پیش آنے والے المناک سانحے کے موقع پر لکھی گئی اردو نظموں کا ہی کوئی بدل نہیں۔مثلاً فقط ایک نظم کا ایک اقتباس ملاحظہ کیا جائے۔

"سنا ہے کل یزید، ہٹلر، چنگیز خان اور فرعون
دوزخ میں گلے لگ لگ کر روئے،
سنا ہے کل شیطان نے اپنے بچوں کو
"اعوذباللہ من الانسان" پڑھنے کا سبق دیا،
سنا ہے کل شہروں کے قریب رہنے والے درندے
رات بھر اپنے بچوں کی حفاظت کے لیے پہرہ دیتے رہے"(۴)

اردو نظم کے تازہ کار شاعر کے پاس اب مابعد تنازعہ کا انسانی رویہ چیخ چیخ کر اپنے ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔اردو نظم کا شاعر اپنے ماحول کی ترجمانی کرتا ہے تو ایک طرز عمل امر واقعی بن کر ظاہر ہوتا ہے جو فوجیوں کی اموات کی خبروں کا عادی ہی نہیں، جو بڑی بڑی جنگوں میں فقط عام لوگوں کی اموات کا عادی ہے۔مثلاً اردو نظم کے ایک شاعر ادریس بابر کی ایک نظم دیکھیے!

کہاں ہے کوئٹہ، کیا ہے کوئٹہ
بم دھماکہ ہوا وہاں؟ نہ کرو!
ہاسٹل کا کرایہ چڑھ گیا ہے
اچھا، پہلے بھی ہوتے ہیں! کس وقت؟
حبس بارش سے اور بڑھ گیا ہے

بیسیوں لوگ مارے گئے؟ لو سنو!
چلتے ہیں تم نے چائے پی کہ نہیں
پہلے بھی مارے جاتے ہیں! اس وقت؟
فلم وہ ڈاان لوڈ کی کہ نہیں
کیا وہاں ڈائیوو کا اڈا ہے
اوہو، تھری جی میں کوئی پھڈا ہے

یہ ہے مابعد تنازعہ اردو نظم جو اکیسویں صدی کے نئے رویّے کی عکاسی ہے۔ ادریس بابر کی ایک اور نظم ملاحظہ فرمایئے!

اس نے میٹنگ بلائی اور کہا
لوگ، دن رات کنٹرول میں ہیں
ٹیپ منہ پر لگائی اور کہا
سب بیانات کنٹرول میں ہیں
اس نے گولی چلائی اور کہا
سر جی، حالات کنٹرول میں ہیں
سب زمیں پر خدا کے نائب تھے
سب زمیں پر خدا کے نائب ہیں
وہ جو اپنی رضا سے مارے گئے
وہ جو اپنی خوشی سے غائب ہیں (۵)

مابعد تنازعہ ادب، کسی ایک ملک کا ورثہ نہیں۔ اب رزمیہ کلامیہ تمام ہو چکا۔ اب اکلوتے انسان کا مہیب دُکھ سر اُٹھا چکا ہے۔ اب فاتحین کی یلغاروں کا انداز تبدیل ہو چکا ہے۔ اب حملہ آور فوجی اُس وقت شہروں میں داخل ہوتے ہیں جب عام عوام اپنے اپنے حصے کا بارُود کھا چکے ہوتے ہیں۔ اب اردو نظم کا شاعر بھی باقی دنیا کے ادب کے ساتھ برابر قد کے ساتھ کھڑا ہے کیونکہ اب قیامت کی طرح چنگاڑھتی ایٹمی دنیا کا ادیب ثقافتوں کے سرحدات عبور کر چکا ہے۔ اب شاعر کا لب ولہجہ تبدیل ہو چکا ہے۔ اب وہ کسی اور زبان میں مخاطب ہے اور ہر دور سے زیادہ شدت کے ساتھ مخاطب ہے۔ مثلاً ایک اور اردو نظم ملاحظہ فرمایئے!

یہ مناظر
یہ خس و خاک سے الجھے ہوئے
شعلوں کے نقیب
اتنا ساماں تو کریں
کون سی روشنی منزل کی طرف جاتی ہے؟
یہ صداکار، یہ آذاں، یہ نمازی سارے
مسجدوں کو بھی تو ڈھاسکتے ہیں
کانچ کے بُت ہیں تو پھر
یہ کڑی دُھوپ میں آسکتے ہیں
یہ ہمیں کچھ تو بتا سکتے ہیں
یہ کسی کے ہی سہی خواب بچا سکتے ہیں
مشعلیں ڈھونڈتی پھرتی ہیں اندھیروں کو کہیں
رستے آوارہ ہوئے جاتے ہیں
سمت در سمت گلی بھاگ رہی ہے
کسی بدکار طوائف کی طرح
وہ جو دلّال ہیں خاموش رہینگے کیسے؟
وہ تو خوش ہیں کہ محبت کو زوال آجائے
ان کو اتنا بھی غنیمت ہے کہ مال آجائے
چور کو چور پکڑنے کا خیال آجائے (۶)

اگرچہ مابعد تنازعہ نظریہ اکیسویں صدی کے آغاز میں متعارف کروایا جارہاہے لیکن ایسی نظمیں جو بعد از جنگ کے حالات کی عکّاس ہوں، دنیا کے ادب میں ہمیشہ سے موجود رہی ہیں۔ اردو نظم نگاروں میں ساحر لدھیانوی کا نام اس حوالے سے نمایاں ہے۔ البتہ جب ہم عہدِ حاضر کے تنازعات کو ماضی کی جنگوں سے الگ کرکے دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب اِن جنگوں کا براہِ راست شکار عام انسان ہیں۔ اور عام انسان بھی اگر اجتماعی طور پر آفات کا شکار ہوجائیں تو ایک اجتماعی ہمدردی کی فضا پیدا ہوجاتی ہے لیکن دورِ حاضر کی جنگیں ماضی کی جنگوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آج کا انسان اگر مابعد تنازعہ حالات کا شکار ہے تو اس کا کوئی ہمدرد کہیں بھی موجود نہیں۔ وہ تنِ تنہا اس مشکل

سے گزر رہا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی نظموں میں جنگ و جدل ایک انسانی اور معاشرتی المیہ ہے نہ کہ عہدِ حاضر کی طرح فقط تہذیبی۔ مثلاً ساحر لدھیانوی کی ایک معروف نظم سے چند اقتباسات ملاحظہ کیے جائیں!

مغرب کے مہذب ملکوں سے کچھ خاکی وردی پوش آئے
اِٹھلاتے ہوئے مغرور آئے، لہراتے ہوئے مدہوش آئے
خاموش زمیں کے سینے میں خیموں کی تنابیں گڑنے لگیں
مکھن سی مُلایم راہوں پر بوٹوں کی خراشیں پڑنے لگیں

فوجوں کے بھیانک بینڈ تلے، چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں
جیپوں کی سلگتی دھول تلے پھولوں کی قبائیں ڈوب گئیں
اِنسان کی قیمت گرنے لگی، اجناس کے بھاؤ چڑھنے لگے
چوپال کی رونق گھٹنے لگی بھرتی کے دفاتر بڑھنے لگے

بستی کے سجیلے شوخ جواں بن بن کے سپاہی جانے لگے
جس راہ سے کم ہی لوٹ سکے اُس راہ پہ راہی جانے لگے
اِن جانے والے دستوں میں غیرت بھی گئی برنائی بھی
ماؤں کے جواں بیٹے بھی گئے بہنوں کے چہیتے بھائی بھی

بستی پہ اُداسی چھانے لگی، میلوں کی بہاریں ختم ہوئیں
آموں کی لچکتی شاخوں سے جھولوں کی قطاریں ختم ہوئیں
دھول اُڑنے لگی بازاروں میں، بھوک اُگنے لگی کھلیانوں میں
ہر چیز دکانوں سے اُٹھ کر روپوش ہوئی تہہ خانوں میں

بدحال گھروں کی بدحالی، بڑھتے بڑھتے جنجال بنی
مہنگائی بڑھ کر کال بنی، ساری بستی کنگال بنی
چرواہیاں رستہ بھول گئیں، پنہاریاں پنگھٹ چھوڑ گئیں
کتنی ہی کنواری ابلائیں ماں باپ کی چوکھٹ چھوڑ گئیں

اِفلاس زدہ دہقانوں کے ہل بیل بکے کھلیان بکے
جینے کی تمنّا کے ہاتھوں جینے کے ہی سب سامان بکے
کچھ بھی نہ رہا جب بکنے کو، جسموں کی تجارت ہونے لگی
خلوت میں بھی جو ممنوع تھی وہ جلوت میں جسارت ہونے لگی (۷)

ساحرلدھیانوی کے مذکورہ بالا اقتباسات میں صاف دکھائی دے رہاہے کہ یہ دُکھ درد انسان کا معاشرتی المیہ ہے جسے سب انسانوں نے مل کر جل کر جھیلناہے۔ مثلاً جب ساحر نے کہا،"

بستی پہ اُداسی چھانے لگی، میلوں کی بہاریں ختم ہوئیں
آموں کی لچکتی شاخوں سے جھولوں کی قطاریں ختم ہوئیں

میلوں کی بہاروں کا ختم ہونا ایک سماجی دُکھ ہے۔ اس کے برعکس دورِ حاضر کے وہ افرادِ معاشرہ جو نائن الیون کے انتقام کا شکار یا وِکٹم (victim) بنے دنیا بھر کی نفرت کا بھی شکار ہوئے۔ اس نفرت نے ایک نئی طبقاتی تقسیم کی بنیاد رکھی اور فقط دو عشروں کے اندر اندر افغانستان سے لے کر یمن اور بخارا سے لے کر عراق تک کروڑوں انسانوں کو شرفِ انسانیت کے منصب سے معزول کر دیا گیا۔

ساحر کے دور کی جنگ نے ساحر کا محبوب چھینا، فصلیں جلائیں اور پیاروں کو جُدا کر دیا۔ لیکن نائن الیون کے بعد کی جنگوں نے اپنے متاثرین کو اجتماعی احساسِ کمتری میں مبتلا کر کے ایک دوسرے سے جُدا کر دیا۔ چنانچہ جنگ نے ساحر سے اس کا محبوب چھین لیا، لیکن ساحر خود محفوظ و مامون رہا۔ اس کے برعکس عہدِ حاضر کا نظم گو خود اپنی ذات کے حوالے سے عدم تحفظ کا شکار ہو گیا۔ اردو کے پورے ماحول میں فرد کو اپنی انفرادی زندگی کے تحفظ کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس کے اپنے خویش، اس مسئلے میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ احساسِ عدم تحفظ کا یہ دور ابھی اپنے عروج پر تھا کہ جدید عہد کے سب سے بڑے اور سب سے خوفناک ذریعۂ ابلاغ نے آنکھ کھولی۔ انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، موبائل اور دیگر جدید ذرائع ابلاغ نے اُنہیں بیانیے کی جنگوں کے زیر اثر اس پر واضح کر دیا کہ وہ فقط اکیلا ہی نہیں، "اَن چاہا (unwanted)" بھی ہے۔ عہدِ حاضر کا شاعر اور اس کا محبوب دونوں ہی جہدِ للبقاؑ کے مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ چنانچہ مابعد تنازعہ اردو نظم سے رومانوی محبت کا موضوع بالکل ہی خارج تو نہیں ہوا البتہ اس کی جہات، لہجہ اور بیانیہ یکسر تبدیل ہو چکا ہے۔ مثلاً شاہین عباس کی ایک نظم کا اقتباس ملاحظہ کیا جائے،

"ٹولیاں ڈھے گئیں
کوئی غم ہی نہ تھا اور ہوتا بھی کیوں
ایسے معزول ہم، ایسے مشغول ہم

تخت یابی کے سہرے میں
چہرے چھپائے ہوئے
کامیابی کا کُہرا جمائے ہوئے
اپنے آتش کدوں کا نشانہ لیے
راکھ جنتے رہے اور تنتے رہے
فصل کی نقل پر، نقل کی اصل پر
یاد ری، یاد تم
یاد ری، یاد تم
ہم مناجات کی کون سی تہ میں تھے
جس کسی تہ میں تھے
ہوگئی ہے وہ گُم
وارے واہ ہم
واہ رے واہ تم! (۸)

مابعد تنازعہ نظم میں ضروریات و احتیاجات کا فرق بھی یکسر مٹ چکا ہے۔ محبت مادیت سے جنم لے کر مادیت میں فنا ہو جاتی ہے اور کسی دیر پا کہانی کو جنم دینے کی سکت نہیں رکھتی۔ مثلاً نصیر احمد ناصر کی ایک چھوٹی سی نظم، "میرے لیے کون خواب دیکھے گا" کی سطریں یہ ہیں:

"میں تمہارے لیے
بہترین زندگی
اور اپنے لیے
بہترین موت کا خواب دیکھتا ہوں"(۹)

ان کیفیاتِ ذہنی کی مثال کچھ بیسویں صدی کے نصف اوّل کے عبرانی (Hebrew) ادب جیسی ہے۔ جس طرح ہولو کاسٹ پر لکھی گئی نظموں میں ایک ایسا خوف و ہراس چار سو بکھرا بکھرا رہتا ہے جیسے کوئی ڈراؤنی فلم چل رہی ہو، بعینہ ویسی ہی کوئی فلم پوری کی پوری

مابعد تنازعہ ادب میں چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً ہولوکاسٹ پر لکھی گئی "جیرالڈ سٹرن (Gerald Stern)" کی مشہور نظم کے ایک اقتباس میں خوف کی یہ جھلک ملاحظہ کیجیے!

"The three of us whirling and singing, the three of us
screaming and falling as if we were dying,
as if we could never stop—in 1945—
in Pittsburgh, beautiful filthy Pittsburgh, home
of the evil Mellons, 5,000 miles away
from the other dancing—in Poland and Germany—
oh God of mercy, oh wild God."

ترجمہ: ہم تینوں چکرا رہے ہیں اور گا رہے ہیں
چیخ رہے ہیں اور گر رہے ہیں، جیسے ہم ابھی مرنے والے ہوں
جیسے ہم ۱۹۴۵ میں کبھی رُک نہ سکتے تھے
خوبصورت اور غلیظ "پٹزبرگ" شہر میں ، جو گھر ہے،
لاکھوں شیطانوں کا، یہاں سے پانچ ہزار میل دُور
اور، ایک اور رقص کے حوالے سے، جو جرمنی اور پولینڈ میں ہوا
(میں یہ کہوں گا)
اے! رحم کے خدا! اے خدائے وحشی! (۱۰)

چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ معاصر اردو نظم میں اب وہ عناصر در آئے ہیں جو بیسویں صدی کے ابتدائی دور کے انگریز اور یہودی شعرا کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ایسی ہی دہشت کا ایک منظر "لال مسجد" سے متعلق الیاس بابر اعوان کی نظم میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیا جائے!

"عجب طلوعِ سحر ہوئی تھی
فلک کی سرخی اُتر کے چشمِ تپاں میں آئی
چہار سمتوں میں خندقیں تھیں
فضا میں رقصاں تھی بُوئے وحشت
درونِ مسجد بھی کلمہ گو تھے
وہ کلمہ گو تھے کہ جن کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا

چہار جانب گھروں میں قیدی تھے
جن کے ہونٹوں سے بددعائیں پھسل رہی تھیں
میں قلبِ شہر سلام اندر
تم تبسم سے آشنا تھا مگریہ دن تھے
خجل فسانوں کی بازیابی کی صورتوں کے
سفیر آتے سفیر جاتے، بلکتے بچوں کی آہ و زاری
نحیف لہجوں کی کپکپاہٹ سماعتوں سے الجھ رہی تھی
فضا میں تھا خوف دھند جیسے
درونِ مسجد وہ اہلِ منبر، وہ اہلِ جُبّہ
سفارتوں کی سبیلِ مخلوط میں الجھ کر صراطِ بیضا سے ہٹ گئے تھے"(۱۱)

مابعد تنازعہ اردو نظم کے لب و لہجے میں موجود ایسی "دہشت زدگی" تقسیمِ ہند کے المیہ میں بھی نہیں ملتی۔ کیونکہ تقسیمِ ہند کے وقت مہاجرین کے سامنے ایک ایسا دشمن تھا جس کے خلاف وہ متحد تھے۔ وہ جواباً حملہ نہ کر سکتے تھے لیکن ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہو سکتے تھے۔ اس کے برعکس مابعد تنازعہ اردو نظم اس حقیقت کی عکاس ہے کہ اب یہاں کوئی کسی کے دکھ درد کا شریک بھی نہیں رہا۔ اس پر مستزاد عہدِ حاضر کے ذرائع ابلاغ ہیں جنھوں نے پوری دنیا کو گویا ماتم کدہ بنا رکھا ہے۔ مابعد تنازعہ ادب کو مابعد تنازعہ ادب بنانے میں جتنا کردار سماجی ذرائع ابلاغ اور بالخصوص انٹرنیٹ کی ایجاد کا ہے، اتنا شاید ہی کسی اور ذریعۂ ابلاغ کا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مابعد تنازعہ اردو نظم نے بھی دنیا بھر کی ادبی تخلیقات کی طرح نئی نئی اصطلاحات کا ایک سونامی دیکھا۔ اگرچہ نئی نئی اصطلاحات اور ترکیبات کے موضوع پر ایک الگ مقالہ لکھا جانا چاہیے لیکن سر دست نصیر احمد ناصر کی ایک نظم اِس حوالے سے ملاحظہ کی جا سکتی ہے تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ ہم یہاں کس قسم کی اصطلاحات اور ترکیبات کی بات کر رہے ہیں۔ نصیر احمد ناصر کی ایک نظم، "کتابوں میں زندگی تلاش کرنا بے سُود ہے" کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے،

"کتابوں میں آباد رہتے ہیں
قہوہ خانے اور مطبخ اور شیشہ کیفے اور ناچ گھر
نرتکیاں اور ناریاں رقص کرتی ہیں
اور پہرے دار گشت کرتے ہیں

کتابوں کے صفحات میں
تہذیبیں عروج و زوال سے ہمکنار ہوتی رہتی ہیں
اور متن سے باہر حاشیوں میں
ایک نیا ورلڈ آرڈر جنم لیتا ہے
اور کسی بحث اور اندراج کے بغیر
اقوامِ عالم ایک نئے یک نقاطی ایجنڈے پر متفق ہو جاتی ہیں
جس کے تحت
بلٹ پروف جیکٹس
اوراندھیرے میں دیکھنے والی گاگلز پہنے ہوئے میرینز
دہشت گردوں کو پیچھا کرتے ہوئے
خواب گاہوں، اسکولوں،
مسجدوں، لائبریریوں اور عجائب خانوں میں گھس جاتے ہیں
اور جب ہزاروں لاکھوں روحیں جسموں سمیت پامال ہو جاتی ہیں
تو امن افواج
قیمتی انسانی جانوں کو بچانے کے لیے
مفت غذائی پیکٹس، پانی اور دودھ کی بوتلیں
اور اپنی طبع کی ہوئی کتابیں تقسیم کرتی ہیں
تاکہ کیمپوں میں خوراک اور تعلیم کی قلت نہ ہو
اور قاتل ملکوں کی معیشت اور ثقافت قائم رہے" (۱۲)

یہ ہے مابعد تنازعہ اُردو نظم، جو اپنے لب و لہجے میں بالکل تازہ لیکن اپنے موضوعات میں بیسیوں صدی کے اوّل نصف کی انگریزی، عبرانی یا مجموعی طور پر مغربی نظموں جیسی ہے۔مابعد تنازعہ اُردو نظم ماضی کے ہر عہد سے مختلف جبکہ اسلوب کے اعتبار سے شدید ہے۔عالمِ انسانی کے اجتماعی دکھ کی انفرادی چیخوں سے لبریز یہ عجیب و غریب نظمیں ادبی حوالے سے بے پناہ اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ یہ نظمیں ایک ایسے عہد کے مہیب المیے کی ترجمان ہیں جو اپنی بعض خصوصیات کی وجہ سے ماضی سے بہت مختلف ہے۔ایک طرف جہاں یہ درست ہے کہ اردو نظم کا شاعر، اپنے پڑوس افغانستان میں ہونے والی بڑی جنگ کا براہِ راست شکار ہونے کی بات سے خود پوری طرح آگاہ

بھی نہیں، وہاں دوسری طرف وہ اپنے ماحول میں پیدا ہو جانے والی ناگہانی آفات سے بے پناہ خوفزدہ بھی ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اسے معلوم ہے کہ اس کی آواز نہیں سنی جا رہی۔ وہ پھر بھی لکھ رہا ہے اور مسلسل کتھارسس کے عمل سے گزرتے ہوئے ایسی منفرد تخلیقات کا باعث بن رہا ہے۔

حوالہ جات:

1. Owuor Otieno, Mark . "What Was Operation Cyclone?" WorldAtlas. https://www.worldatlas.com/articles/what-was-operation-cyclone.html (accessed October 2, 2019).
2. FRAGILE STATES INDEX. (2019). [ebook] Washington, D.C.: The Fund for Peace, pp.5-7-43. Available at: https://fragilestatesindex.org/wp-content/uploads/2019/03/9511904-fragilestatesindex.pdf [Accessed 2 Oct. 2019].

۳۔ شاہین عباس، مناوی، لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۱۳، ص: ۵۶

۴۔ احسن عزیز، "نعت گو شعراء کا اظہار عجز." ماہنامہ سوئے حرم لاہور، جنوری ۲۰۱۵، ص: ۱۴

۵۔ سید ظفر، "اردو شاعری کی ایک نئی صنف کا آغاز"، بی بی نیوز اردو، ۲۰ مئی ۲۰۱۷،
https://www.bbc.com/urdu/entertainment-39986585.

۶۔ ادریس آزاد. (۲۰۱۹). زہریلی فصل | ادریس آزاد. [online] Available at: https://www.idrisazad.com/litrature/poetry/zehreeli-fasal/ [Accessed 2 Oct. 2019].

۷۔ ساحر لدھیانوی، پرچھائیاں، لاہور: مکتبہ جدید، ۱۹۵۵، ص: ۲۱

۸۔ شاہین عباس، مناوی ص: ۱۵۴

۹۔ نصیر احمد ناصر، تیسرے قدم کا خمیازہ، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳، ص: ۱۲۴

10. Stern, G. (2019). The Dancing by Gerald Stern - Poems | Academy of American Poets. [online] Poets.org. Available at: https://poets.org/poem/dancing [Accessed 2 Oct. 2019].

۱۱۔ الیاس بابر اعوان، نووارد، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۶، ص: ۴۱

۱۲۔ نصیر احمد ناصر، تیسرے قدم کا خمیازہ، لاہور: سانجھ پبلی کیشنز، ۲۰۱۳، ص: ۷۳

☆☆☆☆☆